بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نظرات

آج کل ملک میں اصلاح معاشرہ کی مہم جاری ہے اس ضمن میں شادی بیاہ سے متعلق مسائل کی طرف توجہ کی بھی ضرورت ہے کیونکہ یہ مسائل انسانی معاشرے میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور معاشرے کے سکون و عافیت کا انحصار بہت حد تک ان کے خوشگوار حل پر موقوف ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض مسائل شادی سے پہلے پیش آتے ہیں، بعض شادی کے دوران اور بعض شادی کے بعد۔

انسان فطری طور پر اپنے لئے زندگی کا ایک ساتھی چاہتا ہے تاکہ وہ ہر قسم کے دکھ سکھ میں اس کا شریک ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اس ساتھ یا رفاقت کے لئے مرد اور عورت ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اپنی نشانیوں میں گنوایا ہے کہ اس نے سکون مہیا کرنے کی خاطر انسان کا جوڑا پیدا کیا اور اس جوڑے میں ایک دوسرے کے لئے محبت و شفقت کے جذبات رکھ دیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شادی کے ذریعے مرد و عورت کی رفاقت کا مقصد پرسکون زندگی کی فراہمی ہے۔ اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے

کہ شادی بیاہ کے سلسلے میں پیش آنے والے مسائل سے نمٹتے وقت سکون کی فراہمی ہی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اور جو چیزیں اس میں خلل کا ذریعہ ثابت ہوتی ہوں ان سے بچنا چاہیئے۔

شادی کے لئے عام طور سے خوب سے خوب تر لڑکی اور لڑکے کی تلاش ہوتی ہے۔ لڑکے والے چاہتے ہیں کہ لڑکی میں ساری ہی خوبیاں موجود ہوں مثلاً حسن، خوش اخلاقی سلیقہ شعاری اعلیٰ تعلیم، کم سنی، دولت مندی اور اعلیٰ ذات پات وغیرہ۔ اسی طرح لڑکی والوں کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکا نوجوان، اعلیٰ عہدیدار، دولت مند، اور نہ جانے کیا کیا ہو۔ ان صفات میں سے بعض تو ایسی ہوتی ہیں جن کا ایک وقت میں جمع ہونا مشکل ہوتا ہے مثلاً یہ کہ لڑکی کم عمر بھی ہو اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی اور لڑکا نوجوان بھی ہو اور بڑے عہدے پر فائز بھی۔ ظاہر ہے کہ عام حالات میں نہ کم سن لڑکی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو سکتی ہے اور نہ نوجوان لڑکا اعلیٰ عہدے پر فائز۔ بہرحال انہیں اوصاف کی تلاش میں لڑکوں اور لڑکیوں کی عمر کا وہ بہترین حصہ جس میں ساتھی کی قدر و قیمت کا پوری طرح احساس ہوتا ہے انہیں خوبیوں کی آرزو کی نظر ہو جاتا ہے اور پھر اکثر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ ایک دو خوبیوں والا ساتھی بھی میسر نہیں آتا اور بقیہ زندگی انتظار میں گزارنی پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے اپنے ایک بزرگ سے کہا کہ میں ایسی لڑکی سے شادی کروں گا جو فلاں فلاں شرائط پر پوری اُترتی ہو۔ یہ سن کر ان بزرگ نے فرمایا کہ ان میں ایک شرط کا اور اضافہ کر لو کہ لڑکی بدذوق بھی ہو کیونکہ وہ بدذوق ہی ہوگی تو تم جیسے انسان سے شادی کرنا پسند کرے گی۔

لڑکے یا لڑکی میں خوبیاں تلاش کرتے وقت سب سے زیادہ اہمیت دراصل اخلاق و کردار کو دی جانی چاہیئے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے حوالے سے بتایا گیا ہے جوڑے بنانے کا مقصد ہی سکون کی فراہمی ہے۔ اس مقصد کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے کہ اگر ساری خوبیاں میسر نہ ہوں تو

پھر ترجیح کن خوبیوں کو دی جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ کسی انسان کی سب سے اہم خوبی یہی ہوتی ہے کہ اس کا اخلاق و کردار اچھا ہو۔ اگر یہ خوبی موجود نہ ہو اور باقی سب خوبیاں پائی جاتی ہوں مثلاً حسن بھی ہو اور دولت بھی تو پھر گھر کا سکون میسر نہیں آ سکتا اور لڑکے یا لڑکی کے اخلاق و کردار کی خرابی کی وجہ سے جلدی ہی اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ غالباً اخلاق و کردار کی اسی بنیادی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کے خطبوں میں عموماً وہ آیات پڑھا کرتے تھے جن میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ تقویٰ اللہ تعالیٰ کے خوف سے پیدا ہونے والی دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان برائیوں سے بچنا اور نیکیاں کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہو گا تو میاں بیوی ایک دوسرے پر کسی قسم کی زیادتی سے بھی اجتناب کریں گے اور ایک دوسرے کی جو ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد کی گئی ہیں ان کو پورا کرنے کی بھی کوشش کریں گے۔

بعض لوگ مال و دولت کے لالچ میں اپنی کم عمر لڑکیوں کو کسی بوڑھے آدمی سے یا ایسے آدمی سے جس کی پہلے بھی بیوی موجود ہوتی ہے بیاہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے مالی فراوانی تو حاصل ہو جاتی ہے مگر شادی کا اصل مقصد یعنی سکون فوت ہو جاتا ہے۔

اسی سلسلے میں ایک اور مسئلہ توجہ طلب ہے جو لڑکے دوسرے ممالک میں ملازمت کرتے ہیں ان کی غیر ممالک سے لائی ہوئی قیمتی اشیاء کو دیکھ کر لوگوں کو عموماً دھوکہ ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ ان ممالک میں ضرور کوئی معزز مقام رکھتے ہوں گے اور بڑے مناصب پر فائز ہوں گے۔ جب کسی جگہ ایسے لڑکوں کا رشتہ جاتا ہے تو لڑکی والے خوش ہو کر اس رشتے کی ایک خوبی یہ بھی گنواتے ہیں کہ لڑکا باہر گیا ہوا ہے۔ بہر حال مال و دولت، اور عزت و منصب کے لالچ میں رشتہ منظور کر لیا جاتا ہے۔ پھر بعض دفعہ یہ انکشاف ہوتا ہے کہ یہ صاحب تو وہاں کموڈ

صاف کرتے ہیں، کسی ہوٹل میں برتن مانجھتے ہیں یا ان کی تو پہلے سے بیوی موجود ہے یا یہ آوارہ ہیں یہ کہ وہاں قطعاً کوئی کام نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے کسی واقف کے سہارے یا بہت معمولی اجرت پر کام کر کے زندگی گزار رہے ہیں۔ محنت مزدوری اور کوئی پیشہ اسلام کی نظر میں تو معیوب نہیں ہے بلکہ محترم ہے۔ اس لئے اگر لوگ ذہنی طور پہ تیار ہو کر ایسے لوگوں سے اپنی لڑکیاں بیاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر لڑکی والے ذہنی طور پہ اس کے لئے تیار نہ ہوں اور بعد میں ان کو حقیقت حال کا علم ہو تو پھر اس سے لڑکی والوں کو رنج ہوتا ہے اور باہمی تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اچھی طرح تحقیقات کر کے رشتے کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے۔

مال و دولت کا لالچ ہی بعض لڑکے والوں کو لڑکی والوں سے جہیز کے مطالبے پہ مجبور کرتا ہے۔ لڑکیوں کے والدین اکثر ان کے مطالبے پورے نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کی لڑکیاں شادی سے محروم بیٹھی رہتی ہیں اور والدین اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہ ہو سکنے کی وجہ سے کرب واذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ زیادہ جہیز کے خواہش مند حضرات کو یہ سوچنا چاہیئے کہ اگر ان کی لڑکیوں کی شادی کے لئے بھی لوگ زیادہ جہیز کی شرط لگائیں تو ان پہ کیا بیتے گی اور اگر بالفرض وہ آج جہیز دینے کے قابل بھی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ کل مفلس ہو کر اس قابل نہ رہیں۔ لہٰذا معاشرے میں ایسی ظالمانہ رسم کو جاری کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ نفسیاتی تجزیئے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیرت اور خودداری کا فقدان حد سے بڑھا ہوا لالچ اور خود اعتمادی کی کمی زیادہ جہیز کی مانگ کے محرک ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ عموماً اپنے آپ کو مال و دولت کمانے کا اہل نہیں سمجھتے۔ اس لئے چاہتے ہیں کہ لڑکی والوں ہی سے کچھ ہاتھ لگ جائے۔ جہیز کا مطالبہ دراصل چوری، ڈاکے اور غبن وغیرہ کی طرح دوسروں کی لوٹ کھسوٹ کی ایک کوشش ہے اور پورے انسانی معاشرے پہ ظلم کے مترادف ہے۔

بعض لوگ اپنے نام و نمود کی خاطر اپنی حیثیت سے بڑھ کر جہیز دیتے ہیں اور اس معاملے میں دوسروں سے بڑھ جانا چاہتے ہیں چاہے سود پر قرض لے کر ہی جہیز تیار کرنا کیوں نہ پڑے۔ اس سلسلے میں زیادہ تر خواتین مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ جس طرح بھی بن پڑے بہتر سے بہتر جہیز کا انتظام کریں۔ جہیز کے معاملے میں دو تین باتیں توجہ طلب ہیں ایک تو یہ کہ جہیز کی تیاری میں بعض مرتبہ برس گزر جاتے ہیں اور لڑکیاں بغیر شادی کے بیٹھی رہتی ہیں دوسرے اس تیاری کی الجھنوں میں اکثر دل کا سکون رخصت ہو جاتا ہے اور لڑکی کے والدین میں اکثر باہم ناچاقی بھی ہو جاتی ہے، تیسرے جہیز حیثیت سے بڑھ کر ہو تو لوگ چاہے سامنے تعریف بھی کر دیں مگر پیٹھ پیچھے جہیز دینے والوں کو بیوقوف بتاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جہیز قرض لے کر تیار کیا گیا ہے یا حرام کی آمدنی سے بنایا گیا ہے یا لوگوں نے چندہ ڈال کر بنایا ہے، چوتھے یہ کہ جہیز کتنا بھی دے دیا جائے مگر کہنے والے اور خاص طور پر لڑکی کی سسرال والے یہی کہتے رہتے ہیں کہ یہ کیا دیا، کار فلاں ماڈل کی دی، پلاٹ چھوٹا دیا وغیرہ وغیرہ، پانچویں یہ کہ بعض دفعہ جہیز میں ایک ہی طرح کی کئی کئی چیزیں دے دی جاتی ہیں مثلاً زیورات کے پانچ چھ سیٹ جو کہ ظاہر ہے کہ سب تو کام نہیں آتے۔ جہاں تک زیورات کا تعلق ہے اکثر خواتین ایک سیٹ بھی نہیں پہنتیں۔ زیور یوں ہی رکھا رہتا ہے اور اس پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح زیور سے فائدہ اٹھائے بغیر ہر سال زر کثیر زکوٰۃ میں دینا پڑتا ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو جہنم کا عذاب حصے میں آتا ہے۔

دراصل مسلمانوں میں زیادہ جہیز دینے کی رسم ہندوؤں سے آئی ہے ہندو معاشرے میں عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا اس لئے والدین شادی کے وقت لڑکی کو کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔ دراصل جہیز کا مقصد زیادہ سے زیادہ یہ ہونا چاہئیے کہ لڑکی کی فوری ضرورت کی

چیزیں اس کو مہیا کر دی جائیں تاکہ نئے گھر میں جا کر اپنی ضروریات کے لئے فوراً ہی بازار کا رخ نہ کرنا پڑے پھر بعد میں اپنی بیٹی کو ساری عمر جتنا چاہے دے سکتے ہیں۔

یہ بات لوگوں کے مفاد میں ہے کہ جہیز کو محدود کرنے سے متعلق حکومت کے قانون کی پابندی کریں۔ ایسا کر کے بہت سی مشکلات سے بچا جا سکتا ہے۔ صاحب حیثیت لوگ اگر شادی کے موقعہ پہ اس خیال سے اپنی بیٹیوں کو زیادہ جہیز نہ دیں کہ ان کے اس عمل سے زیادہ جہیز دینے کے رجحان میں کمی آئے گی اور غریب لوگ زیادہ جہیز مہیا نہ کر سکنے کی وجہ سے احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوں گے تو لوگوں کو مشکلات اور احساس کمتری سے بچانے کا ان کا یہ عمل یقیناً اجر و ثواب کا موجب ہو گا۔

انہیں مصلحتوں کی وجہ سے بعض برادریوں میں جن میں دولت مندوں کی بھی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے جہیز کی ایک معمولی سی مقدار مقرر کر لی گئی ہے جو برادری کا ہر شخص آسانی سے دے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس مقدار سے زیادہ جہیز دینا چاہتا ہے تو برادری کے لوگ اس کا بائیکاٹ کر دیتے ہیں۔

جہیز کے علاوہ شادی کے سلسلے میں ایک اور اہم مسئلہ مہر کا ہے۔ لڑکی والے بعض دفعہ مہر اتنا زیادہ بندھوانا چاہتے ہیں کہ اس کا ادا کرنا بظاہر لڑکے کے بس میں نہیں ہوتا۔ زیادہ مہر کی مصلحت عموماً یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے طلاق میں رکاوٹ واقع ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کبھی کبھی مہر طلاق میں رکاوٹ بنتا بھی ہے مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کیونکہ مرد اگر طلاق دینا ہی چاہے تو وہ مختلف انداز سے عورت کو تنگ بھی کر سکتا ہے تاکہ عورت مجبور ہو کر طلاق کا مطالبہ کرے اور مہر بھی معاف کر دے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مہر کون لیتا ہے اور کون دیتا ہے لہذا مہر جتنا زیادہ بھی ہو کیا فرق پڑتا ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ مہر قرض ہے اگر اس کی ادائیگی

نہ کی گئی تو قیامت میں باز پرس ہوگی۔ اس قرض کی اتنی اہمیت ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد اس کے ترکے میں سے سب سے پہلے مہر کی رقم ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر کسی کی مہر ادا کرنے کی نیت ہی نہ ہو تو وہ ایسی شادی کر کے عظیم گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ لہٰذا مہر سوچ سمجھ کر مقرر کرنا چاہیئے اور اس کی ادائیگی کی نیت اور کوشش بھی ہونی چاہیئے۔

بعض لوگ بتیس روپے آٹھ آنے کا مہر باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شرعی مہر باندھا ہے۔ نہ معلوم یہ شرعی مہر کی اصطلاح کہاں سے آگئی۔ شریعت میں مہر کی مقدار کی کوئی قید نہیں۔ البتہ ایک مخصوص مقدار ہے جس سے کم نہیں ہونا چاہیئے اور وہ مخصوص مقدار بھی اچھی خاصی رقم بن جاتی ہے۔ لوگ غلطی سے شرعی مہر کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ مہر کی یہ رقم شریعت نے مقرر کر دی ہے اور یہی پسندیدہ رقم ہے۔ بہرحال مہر مرد کی حیثیت کے مطابق مقرر کرنا چاہیئے تاکہ وہ ادا بھی کر سکے اور بالکل ہی کم بھی نہ ہو۔ مہر عورت کا حق ہے جو اس کی مرضی سے طے ہونا چاہیئے۔ کسی اور کو اس حق میں تصرف کر کے مہر کی رقم کو کم نہیں کرنا چاہیئے۔ یا پھر مہر اتنا مقرر کیا جانا چاہیئے جتنا لڑکی کی پھوپھیوں خالاؤں وغیرہ کا ہے جس کو فقہ میں مہر مثل کہا جاتا ہے۔

بعض خاندانوں میں یہ دستور ہے کہ شادی سے پہلے لڑکی کے والدین لڑکے سے کچھ رقم لیتے ہیں۔ اس سے شادیوں میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ رقم مہیا نہ کر سکنے کی وجہ سے شادیوں میں تاخیر ہوتی ہے۔ اسلام میں صرف مہر کی اجازت ہے اور وہ لڑکی کا حق ہے جس کو وصول کر کے اپنی مرضی سے وہ کسی کو دے بھی سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے والدین لڑکے سے رقم اس لئے بھی وصول کرتے ہوں کہ اس کی وجہ سے ان کا داماد لڑکی کی قدر کرے گا۔ یہ بات کچھ حد تک صحیح بھی ہو سکتی ہے مگر اس کی وجہ سے شادی میں جو تاخیر پیدا ہوتی ہے وہ

ایک سنگین مسئلہ ہے۔ والدین کو چاہیئے کہ انہوں نے لڑکی کی پرورش پر جو محنت و مشقت برداشت کی اس کے اجر و ثواب کی توقع وہ اللہ تعالیٰ سے رکھیں اور صرف مہر مقرر کر کے اپنی لڑکیوں کی شادیاں کر دیا کریں اور اس مہر کی وصولی کا اختیار لڑکی کو دے دیا کریں۔

شادی کے سلسلے میں ایک اور مسئلہ توجہ طلب ہے۔ جو لوگ تعلیم یا ملازمت وغیرہ کے سلسلے میں امریکہ یا یورپ کے ملکوں میں جاتے ہیں ان میں سے بعض ان ممالک کی مادی ترقیوں کو دیکھ کر اپنے ملک اور قوم کو ان کے مقابلے میں کمتر سمجھنے لگتے ہیں اور جب کوئی امریکی یا یورپین خاتون ان سے شادی کے لئے تیار ہو جاتی ہے تو کچھ اپنی پسند اور کچھ اس کو اپنے لئے اعزاز سمجھ کر اس سے شادی کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجنبی زبان اور اجنبی ماحول کے لوگوں میں شادی سے وہ سکون نہیں مل سکتا جو اپنے اعزا، اپنی زبان اور اپنے ملک کے لوگوں میں شادی کر کے مل سکتا ہے۔ اپنے جیسوں میں شادی کو اسلام میں بھی پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ پھر غیر ممالک میں شادی کرنے سے اپنے گھرانوں اور اپنے ملک کی لڑکیوں کے لئے مسائل پیش آتے ہیں اور ان کی شادیاں بھی اجنبی ماحول کے لوگوں میں کرنی پڑتی ہیں انگریز خواتین کو فخر کے ساتھ اپنے ساتھ لانے والوں کی توجہ شائد اس طرف نہیں رہتی کہ سفید نسل کے لوگ ایشیا اور افریقہ کے کالے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض ہوٹلوں کے باہر یہ تک لکھا ہوا ہوتا ہے کہ کالوں اور کتوں کو داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اعلیٰ خاندانوں کی خواتین تو کسی بڑے سے بڑے افریقی یا ایشیائی کے ساتھ شادی کے لئے آمادہ ہوتیں نہیں۔ عموماً وہ خواتین جن کا وہاں کے معاشرے میں کوئی مقام نہیں ہوتا جیسے ہمارے ملک میں بعض گھروں یا دفتروں وغیرہ میں معمولی قسم کے کام کرنے والی خواتین تو وہ البتہ ایک کالی نسل کے تعلیم یافتہ اور صاحب حیثیت آدمی کے

ساتھ شادی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اب محض سفید رنگ تو کوئی ایسی خوبی نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اپنے ماحول کی لڑکیوں کو چھوڑ کر انسان اجنبی ماحول میں مصنوعی سکون حاصل کرے اور اپنے لوگوں میں بالکل اجنبی ہو جائے اور نہ ہی یہ کوئی فخر کی بات ہے بالکل اسی طرح جیسے ہمارے ملک میں بھی اگر کوئی شخص گھروں یا ہوٹلوں وغیرہ میں معمولی قسم کے کام کرنے والی سفید رنگ کی خاتون سے شادی کرے تو اس شادی کو کوئی فخر کی بات تصور نہیں کیا جاتا۔

آج کل عام طور پر کسی رشتے کی ایک خوبی یہ بھی سمجھی جاتی ہے کہ لڑکا بالکل اکیلا ہے یعنی یا تو اس کے والدین دنیا میں موجود ہی نہیں ہیں یا پھر وہ ان سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ والدین سے دوری کو اچھی نظر سے دیکھنے کا رجحان معاشرے کے لئے انتہائی تباہ کن ہے اگر یہی دستور چل نکلے تو جو لوگ دوسروں کے لڑکوں کے لئے یہ بات پسند کرتے ہیں کہ وہ والدین سے دور رہیں وہ خود بھی اس آفت کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے تو جو لوگ والدین سے کنارہ کش ہونے والے لڑکوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں رکاوٹ بنتے ہیں اور اس طرح ایک سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ جو نالائق اپنے والدین کا وفادار نہیں ہے جن سے کہ وہ پیدا ہوا اور جس کی انہوں نے پرورش کی تو کیا وہ بیوی کا اور سسرال والوں کا وفادار ہو سکتا ہے جب کہ بیوی تو دوسری بھی لائی جا سکتی ہے۔ کئی واقعات ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ لڑکے نے خود کو تنہا ظاہر کیا اس لئے لڑکی کے والدین نے اس کو غنیمت سمجھ کر شادی کر دی۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ یہ تو صفائی وغیرہ کرنے والے جمعداروں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے یا یہ پہلے سے شادی شدہ ہے یا آوارہ ہے۔ اس لئے اہل خاندان نے اسے اپنے سے دور کیا ہوا ہے۔ اس لئے بہترین طریقہ یہی ہے کہ شادی بیاہ کی

بات چیت لڑکے کے متعلقین ہی کے ذریعے طے پائے۔

بعض لڑکے لڑکیاں اپنے گھروں سے فرار ہو کر شادی کر لیتے ہیں اور اس طرح والدین کو لوگوں کے سامنے ندامت ہوتی ہے اور زبردست رنج و ملال بھی۔ ایسے لوگوں کا اگرچہ نکاح تو ہو جاتا ہے کیونکہ اسلام میں نکاح جانبین کی رضا مندی ہی سے ہوتا ہے مگر گھر سے فرار ہونے کا رجحان اتنا نامعقول ہے کہ اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو پھر کسی خاندان کی عزت محفوظ نہ رہے۔ اس لئے مختلف اقدامات کے ذریعے اس قسم کے رجحان کی پوری طرح بیخ کنی کرنا ضروری ہے۔

گھر سے فرار ہو کر اپنی مرضی سے شادی کرنے کے واقعات کبھی کبھی اس لئے بھی پیش آتے ہیں کہ والدین بعض دفعہ اولاد کی مرضی کا پاس نہیں کرتے اور جہاں لڑکے یا لڑکی کی مرضی ہوتی ہے وہاں ان کی شادی نہیں کرتے بعض دفعہ والدین پیسے کے لالچ یا اَدلے بدلے کی شادی کے رواج کی وجہ سے لڑکی کی مرضی کے خلاف بالکل ہی ان مل بے جوڑ شادیاں کرنا چاہتے ہیں مثلاً ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ تیرہ سال کی لڑکی کی اسّی سال کے بوڑھے سے شادی کر دی اور جوان لڑکی کا رشتہ دودھ پیتے بچے سے طے کر دیا۔

شادی کے سلسلے میں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ اسلام نے نکاح کے معاملے میں بالغ لڑکے اور لڑکی کی مرضی کو ملحوظ رکھا ہے۔ لڑکی کسی کے ساتھ اپنی شادی کی منظوری دے اور لڑکا اس کو قبول کرے۔ یہ جو بعض دفعہ باپ کسی جگہ شادی سے انکار پر بیٹی کو گولی مارنے کی دھمکی دیتا ہے اور ماں زہر کھانے کی تو یہ صریحاً زبردستی کی شادی ہوتی ہے اور اس طرح نکاح کی شرط پوری نہیں ہوتی قیامت میں تو ایسی زبردستی پر مواخذہ ہوگا ہی، حکومت کے قانون کے ذریعے بھی اس قسم کی ظالمانہ شادیوں کی ممانعت

ہونی چاہیے۔ شادی کے معاملے میں والدین کا فیصلہ اگرچہ کبھی کبھی انتہائی غلط بھی ہوتا ہے مگر اکثر وہ اولاد سے ہمدردی اور محبت کی بنا پر سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کرتے ہیں جو یقیناً اولاد کے مفاد میں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس نوجوانوں کے اکثر فیصلے جذباتی ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ بات خود لڑکوں اور لڑکیوں کے مفاد میں ہے کہ وہ اپنی شادی کے مسئلے کو والدین پر چھوڑ دیں۔

اسلام نے تو شادی کے سلسلے میں عورت مرد کی آزادانہ پسند کو یہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ شادی سے پہلے منگیتر کو ایک نظر دیکھنے کی بھی اجازت دے دی ہے۔ اس میں یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ پسندیدگی کی بنا پر شادی کی جائے اور ایسا نہ ہو کہ شادی کے بعد دونوں ایک دوسرے کو یا ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو پسند نہ کرے اور نوبت تعلقات کی خرابی یا طلاق تک پہنچے۔ لیکن افسوس ہے کہ رواج کی وجہ سے بعض گھرانوں میں یہ رواج پایا جاتا ہے اور آج سے تقریباً چالیس سال پہلے تو یہ رواج بہت ہی سخت تھا کہ لڑکی کو اجنبی خواتین سے بھی پردہ کرایا جاتا تھا تاکہ کہیں لڑکے والوں کی نظر نہ پڑ جائے۔ اس سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ لڑکی کوئی بازار کا سودا تھوڑا ہی ہے کہ اسے پسند کر کے لیا جائے۔ بہر حال یہ رویہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

شادیوں کے موقع پر اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ کئی کئی روز تک لاؤڈ سپیکر لگا کر گانے بجانے کا اہتمام کرتے ہیں جس کی وجہ سے پڑوسی اور شادی کے مہمان تنگ آ جاتے ہیں۔ پھر کوئی پڑوسی ٹوک دے تو تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ اس لئے کبھی تو وہ صبر کر لیتے ہیں اور کبھی دل ہی دل میں بددعا دیتے ہیں۔ ادھر مہمانوں کی بھی جان عذاب میں ہوتی ہے۔ اگر رہتے ہیں تو شور کے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور اگر واپس جاتے ہیں تو تعلقات کے بگڑنے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس موقع پر بعض نامناسب باتیں

دیکھنے میں آتی ہیں مثلاً فحش گانے، فحش مذاق، مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ رقص وغیرہ۔ شادی کے موقع پر یوں تو ہر طرف سے مبارک باد دی جاتی ہے مگر جس شادی میں لوگوں کی بددعائیں اور رقص و سرود وغیرہ کی نحوست شامل ہو جائے اس کے مبارک ہونے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

شادی کے موقعہ پر بعض لوگ دوسری انتہا کی طرف چلے جاتے ہیں۔ ان کے گھروں میں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ شادی ہو رہی ہے۔ وہ اچھے اشعار گا کر اور دف یعنی ڈھول بجا کر خوشی کے اظہار کو اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے اس لئے وہ فطری تقاضے پورے کرنے کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ تلقین بھی کرتا ہے۔ خوشی کے موقع پر انسان کسی نہ کسی طرح اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے اس جذبے کو ملحوظ رکھا ہے اور خوشی کے اظہار کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ ایک بار جب حضرت عائشہ رضی نے ایک انصاری سے اپنی ایک رشتہ دار عورت کا نکاح کر کے اس کو رخصت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ تم لوگوں کے ساتھ گیت نہ تھا۔ انصار کو تو گیت پسند ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس کے ساتھ ایک لونڈی کیوں نہیں بھیجی جو دف بجاتی اور گاتی جاتی۔ پھر شادی کے موقع پر گانے اور ڈھول بجانے کی اس لئے بھی اجازت دی گئی تاکہ نکاح کا خوب اعلان ہو جائے اور سب کو خبر ہو جائے۔

آج کل شادی کے موقعہ پر نئی نئی رسمیں چل نکلی ہیں مثلاً منگنی مہندی وغیرہ کے موقعوں پر بڑی تعداد میں لوگوں کو کھانے پر بلایا جاتا ہے۔ دولہا دولہن کے گھر والے ایک دوسرے کے یہاں کپڑے اور زیورات وغیرہ بھیجتے ہیں اول تو یہ سب ہی کے لئے فضول رسمیں

ہیں ان پر بہت روپیہ خرچ ہوتا ہے مگر خیر امیر لوگ تو برداشت کر جاتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی جب اوسط درجے کے لوگ اور غریب لوگ بھی یہ رسمیں شروع کرتے ہیں تو یہ ان کے لئے بہت تکلیف دہ بلکہ تباہ کن ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ اپنی کسی ایک بیٹی یا بیٹے کی شادی پر اتنے اندھا دھند مصارف کر بیٹھتے ہیں کہ جب دوسرے بیٹوں بیٹیوں کا نمبر آتا ہے تو پھر ان کے پاس معمولی اخراجات کے لئے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ اول تو فضول رسموں کی پابندی ہی عقل کے خلاف ہے مگر رسمیں پوری نہ کر سکنے پر احساس کمتری میں مبتلا ہونا اس سے بھی زیادہ غیر معقول ہے۔ اگر بہ فرض بھی کر لیا جائے کہ رسموں کا نہ نبھانا واقعی باعث عار ہے تو پھر یہ سوچ لینا چاہیئے کہ برسوں کے مالی اور ذہنی وغیرہ مصائب میں گرفتار رہنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آدمی تھوڑی دیر کی عار برداشت کر لے۔

شادی کے موقعہ پر پیش آنے والے مسائل کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان پر تفصیل سے بحث کی جائے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس اداریئے میں مختصر طور پر بعض مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شادی کے بعد جو مسائل پیش آتے ہیں ان سے بحث انشاءاللہ اگلے ماہ کے نظارات میں کی جائے گی۔

(مدیر)